

احمد ندیم قاسمی (غزل نمبر 1)

مشکل الفاظ و تراکیب کی تفہیم

| الفاظ | مفہوم |
|-------------------|--|
| آتش و آب | آگ اور پانی |
| قعر دریا | دریا کی گہرائی |
| روز ازل سے | اول روز سے، ابتدا ہی سے |
| اعجاز | معجزہ |
| مفر | جائے فرار، چارہ کار |
| سقراط | مشہور یونانی فلسفی جسے زہر کا پیالہ پلا کر سزائے موت دی گئی۔ |
| سلیقہ | ڈھنگ، قرینہ |
| قرینہ | سلیقہ |
| آنکھ کا پینا ہونا | اصلیت تک پہنچنے والی نگاہ |
| محروم تمنا | خواہشات سے محرومی |
| یک جا | اکٹھا |

(بورڈ 2007-2010)

شعر نمبر 1:

کچھ غلط بھی تو نہیں تھا، مرا تنہا ہونا
آتش و آب کا ممکن نہیں، یکجا ہونا

تشریح: احمد شاہ المعروف احمد ندیم قاسمی اردو کے مشہور شاعر اور نثر نگار تھے۔ نکتہ آفرینی اور آفاقیت ان کی شاعری کا خاصہ ہے۔ غم عشق غم زمانہ اور آفاقی موضوعات پر مبنی ندیم کے اشعار زندگی کی حقیقتوں کے ترجمان بھی ہیں اور الجھنوں کے عکاس بھی۔

زیر تشریح شعر میں ندیم کہتے ہیں کہ ”اگر میں تنہا ہوں تو اس میں کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے کیونکہ آگ اور پانی اکٹھے نہیں رہ سکتے۔“ انسان کی ضروریات کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ وہ تنہا رہ کر زندگی نہیں گزار سکتا۔ لیکن سماجی زندگی گزارتے ہوئے ضروری نہیں کہ انسان کا اچھے لوگوں سے پالا پڑے کیونکہ یہ سماجی تعلقات انسانی مرضی کے تابع نہیں۔ جب انسان اپنے گرد و پیش میں خود غرض، لالچی اور بے حس افراد کو دیکھتا ہے تو وہ ان سے دور ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ جس سے یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ بھری دنیا میں تنہا رہ جاتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ جنہیں حق گوئی کی بنیاد پر جلاوطن ہونا پڑا۔ احمد ندیم قاسمی کا موقف یہ ہے جس طرح آگ اور پانی اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ جس طرح مثبت اور منفی قوتیں جمع نہیں ہو سکتیں کیونکہ ایسے موقع پر لوگ اجتماعی سطح پر انسانیت سے عاری ہو چکے ہیں اور اگر میں تنہا

ہو گیا ہوں تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔

دو دنوں کا اک جدا ہی مطلب ہے
یہ کہے روز، وہ کہے شب ہے

(میر تقی میر)

احمد ندیم قاسمی کا موقف یہ ہے کہ اگر میں محبوب سے جدائی کی وجہ سے تنہا رہ گیا ہوں تو اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کیوں کہ جس طرح آگ اور پانی اکٹھے نہیں ہو سکتے اسی طرح میر اور محبوب کا اکٹھا ہونا بھی ممکن نہیں۔ اگر آگ سے مراد عاشق اور پانی سے مراد محبوب لیا جائے تو عاشق کے اندر عشق کے جذبات جوش، جنون اور ولولہ آگ کی طرح بھڑک رہے ہوتے ہیں جبکہ محبوب کا دل عشق کے جذبات سے عاری ہوتا ہے اور وہ عام طور پر بے نیازی، بے رُخی اور بیزاری سے کام لیتا ہے۔ یوں عاشق آگ اور محبوب پانی ہے۔

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یا الہی یہ ماجرا کیا ہے

(مرزا غالب)

لپٹے جاتے ہیں ہم اُن سے، ہم سے ہیں وہ بھاگتے
اس طرف سے ہے نیاز اور اُس طرف سے ناز ہے

(آتش)

اگر آگ سے مراد محبوب اور پانی سے مراد عاشق لیا جائے تو محبوب اپنے رویے، مزاج اور عادتوں میں آگ کی طرح بھڑکتا رہتا ہے اور اس کے برعکس عاشق پانی کی طرح ٹھنڈے مزاج، رویے اور عادتوں کا حامل ہوتا ہے۔ یعنی محبوب اور عاشق کے مزاج میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اس لیے ان دونوں کا اکٹھا ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ داغ دہلوی نے یہی صورت حال کچھ اس طرح بیان کی ہے۔

میرا جدا مزاج ہے، اُن کا جدا مزاج
پھر کس طرح سے ایک ہو اچھا بُرا مزاج
دن رات کا فرق ہے تمہارے مزاج میں
دن کو جدا مزاج تو شب کو جدا مزاج

شعر نمبر 2:

ایک نعمت بھی یہی، ایک قیامت بھی یہی
روح کا جاگنا اور آنکھ کا بینا ہونا

تشریح: احمد شاہ المعروف احمد ندیم قاسمی اردو کے مشہور شاعر اور نثر نگار تھے۔ نکتہ آفرینی اور آفاقیت ان کی شاعری کا خاصہ ہے۔ غم عشقِ غمِ زمانہ اور آفاقی موضوعات پر مبنی ندیم کے اشعار زندگی کی حقیقتوں کے ترجمان بھی ہیں اور الجھنوں کے عکاس بھی۔

زیر تشریح شعر میں ندیم کہتے ہیں کہ ”روح کا جاگنا اور آنکھ کا بینا ہونا ایک نعمت بھی ہے اور ایک قیامت بھی۔“

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں تلاش و جستجو کا جذبہ رکھا ہے۔ انسان خدا شناسی، خود شناسی، دیگر شناسی اور جہاں شناسی کے مراحل طے کرتا

ہے۔ انسان جس معاشرے میں زندگی بسر کرتا ہے اس کے بارے میں بھی اس کو شعور اور آگہی حاصل ہوتی ہے۔ اسی شعور اور آگہی کو ”روح کا جاگنا“ قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح ہر انسان کی دو طرح کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جس سے وہ دیکھتا ہے اور ایک وہ جو اُس کے دل کی آنکھ ہے۔ انسان کی دل کی آنکھ کھلی ہو تو اُسے ”آنکھ کا بینا ہونا“ کہا جاتا ہے۔ یہ نعمت ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی۔ ابن انشا کا کہنا ہے۔

حسن سب کو خدا نہیں دیتا
ہر کسی کی نظر نہیں ہوتی

بقول اقبالؒ

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

یہ شعور و آگہی اور آنکھ کا بینا ہونا اس اعتبار سے تو ایک نعمت ہے کہ انسان کو اپنے وجود کے تعین کرنے میں، کسی کام کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے میں یا کوئی بھی قدم اٹھانے میں بڑی آسانی رہتی ہے کہ ہر چیز کی پوشیدہ حقیقتیں اُس کے پیش نظر ہوتی ہیں۔ یہ دونوں صفات انسان کو بُرے راستے سے باز رکھتی ہیں اور اُسے اچھائیوں پر آمادہ کرتی ہیں۔ یوں یہ دونوں صفات اللہ کی ایک نعمت ہیں۔

چشم بینا بھی عطا کی، دل آگہ بھی دیا
مرے اللہ نے مجھ پر کیے احسان کیا کیا

(آتش)

لیکن جب معاشرہ مختلف مسائل کا شکار ہو، لوگ مختلف طبقوں میں بٹے ہوئے ہوں ان کے درمیان رنگ و نسل کے اختلافات، لسانی تضادات، مذہبی اختلافات موجود ہوں معاشرے میں غربت، جہالت اور نا انصافی کا دور دورہ ہو۔ ان سب کے بارے میں جانتے ہوئے جب انسان اس صورت حال کو بدل نہ سکے تو یہی شعور و آگہی اور دل کی آنکھ کی بینائی قیامت بن جاتی ہیں۔ ایسا انسان معاشرے میں نا انصافی، غربت، جہالت، لوگوں کے مسائل دیکھ کر دل ہی دل میں گڑھتا ہے، جلتا ہے لیکن وہ بے بس ہوتا ہے یوں ”روح کا جاگنا“ اور ”آنکھ کا بینا ہونا“ انسان کے لیے تکلیف اور اذیت کا باعث بن جاتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ لاعلمی بہت بڑی نعمت ہے۔ احمد ندیم قاسمی روح کی بیداری اور آنکھ کی بینائی کو ایک قیامت قرار دے کر دراصل ہمیں زمینی حقائق کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ جس معاشرے میں ہم جی رہے ہیں یہاں پر ہر اس شخص کے لیے جو زندگی کا شعور رکھتا ہو جینا بڑا مشکل ہے۔

خواب غفلت کے دور میں حسرت
دل بیدار کا خدا حافظ

(حسرت موہانی)

شعر نمبر 3:

جو بُرائی تھی میرے نام سے منسوب ہوئی
دوستو! کتنا بُرا تھا مرا اچھا ہونا

تشریح: احمد شاہ المعروف احمد ندیم قاسمی اردو کے مشہور شاعر اور نثر نگار تھے۔ نکتہ آفرینی اور آفاقیت ان کی شاعری کا خاصہ ہے۔ غم عشق غم زمانہ اور آفاقی موضوعات پر مبنی ندیم کے اشعار زندگی کی حقیقتوں کے ترجمان بھی ہیں اور الجھنوں کے عکاس بھی۔

زیر تشریح شعر میں مذہم کہتے ہیں کہ ”میرا مثبت رویہ میرے لیے اتنا نقصان دہ ثابت ہوا کہ ہر برائی میرے نام سے ساتھ جوڑ دی گئی۔“ اچھائی اور برائی کے معیار ہر زمانے میں اور ہر معاشرے میں مختلف رہے ہیں۔ لیکن کچھ قدریں ایسی ہیں جنہیں ماضی قدیم سے لے کر آج تک اچھا سمجھا جاتا ہے۔ ان میں سے دوسروں کی مدد کرنا، دوسروں سے ہمدردی رکھنا، عدل و انصاف پر قائم رہنا، سچ بولنا، کسی کا حق غصب نہ کرنا یہ ساری باتیں ”حورابی“ کے دستور سے لے کر آج کے زمانے تک پسندیدہ رہی ہیں۔ اس کے برعکس قتل و غارت، چوری، جھوٹ، لاقانونیت، خود غرضی، مطلب پرستی جیسے رویے ہمیشہ سے ناپسندیدہ رہے ہیں۔ لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ معاشرہ اجتماعی سطح پر بدعنوان ہو جاتا ہے اور ہر طرف برائی کا دور دورا ہوتا ہے۔ ایسے معاشرے میں جب کوئی شخص اچھائی کے راستے پر چلتا ہے تو اُسے برا سمجھا جاتا ہے اور اس کے برعکس بُروں کو اچھا سمجھا جاتا ہے۔ احمد مذہم قاسمی نے اپنے ایک اور شعر میں اسی معاشرتی رویے کو کچھ یوں بیان کیا ہے:

کوئی کہتا ہی نہیں بُروں کو بُرا
کتنا اچھا رہا بُرا ہونا

آتش کا کہنا ہے:

چلی ہے ایسی زمانے میں کچھ ہوا اُلٹی
کہ سیدھی بات سمجھتے ہیں آشنا اُلٹی

کوئی بھی معاشرہ جن چیزوں سے مرکب ہوتا ہے ان میں وہاں کے جغرافیائی حالات، وہاں کے وسائل پیداوار، رسم و رواج اور اجتماعی نظام فکر شامل ہے۔ ہر وہ عمل جو کسی معاشرے کے اجتماعی نظام فکر کے خلاف ہو، برائی کے زمرے میں شامل ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر وہ عمل جو اجتماعی نظام فکر میں پسندیدہ سمجھا جائے وہ اچھائی میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن جب معاشرہ اجتماعی سطح پر بگڑ جاتا ہے تو اچھائی اور بُرائی کی کسوٹی بدل جاتی ہے۔ اچھوں کو بُرا اور بُروں کو اچھا سمجھا جاتا ہے۔ احمد مذہم قاسمی بھی ایسے ہی معاشرے کی تصویر کھینچ رہے ہیں جہاں راست گو اور سچے انسان کو بدنام اور رسوا کیا جاتا ہے اور اُس کی راست گوئی اور سچائی رسوائی کی وجہ بنتی ہے۔

ہم نہ کہتے تھے حالی چُپ رہو
راست گوئی میں ہے رُسوائی بہت

انسانی تاریخ میں ایسے بے شمار افراد موجود ہیں جنہوں نے جب حق اور صداقت کی آواز بلند کی تو ان پر مختلف الزامات لگا کر ان کو برا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جب بُرے معاشرے میں حق کی صدا بلند کی تو آپ ﷺ کو شاعر، مجنوں، جھوٹا، شرارتی جیسے کئی بُرے نام دے کر بدنام و رسوا کرنے کی کوشش کی گئی۔ حق اور صداقت کی آواز بلند کرنے والے چاہے مختلف انبیاء کرام علیہم السلام ہوں، امام حسین علیہ السلام ہوں، سقراط ہو، فیض احمد فیض ہو یا حبیب جالب، اُن پر عام طور پر مختلف الزامات لگائے جاتے رہے ہیں اور اُن کو برا ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ حبیب جالب کا کہنا ہے:

ایک ہمیں آوارہ کہنا، کوئی بڑا الزام نہیں
دنیا والے، دل والوں کو اور بہت کچھ کہتے ہیں

شعر نمبر 4:

قعر دریا میں بھی آ نکلے گی، سورج کی کرن
مجھ کو آتا نہیں محروم تمنا ہونا

تشریح: احمد شاہ المعروف احمد ندیم قاسمی اردو کے مشہور شاعر اور نثر نگار تھے۔ نکتہ آفرینی اور آفاقت ان کی شاعری کا خاصہ ہے۔ غم عشق غم زمانہ اور آفاقی موضوعات پر مبنی ندیم کے اشعار زندگی کی حقیقتوں کے ترجمان بھی ہیں اور الجھنوں کے عکاس بھی۔ زیر تشریح شعر میں ندیم کہتے ہیں کہ ”سورج کی روشنی انتہائی گہرائی تک بھی پہنچتی ہے۔ اگر انسان پر امید رہے تو اس کی آرزو پوری ہونے کا قوی امکان ہوتا ہے۔“

زندگی کے بارے میں دو طرح کا رویہ موجود ہوتا ہے:

(i) رجائی نقطہ نظر (ii) قنوطی یا مایوسانہ رویہ

وہ افراد جو حقیقتوں کا تاریک رخ دیکھتے ہیں۔ عام طور پر مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں اور اس مایوسی کے نتیجے میں وہ کوشش اور جدوجہد ترک کر دیتے ہیں اور اپنے آپ کو حالات کے دھارے کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ افراد جو زندگی کے بارے میں امید افزا نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ وہ مایوسی کو کفر سمجھتے ہوئے زندگی کی تاریکیوں میں بھی پُر امید رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مایوسی کو ناپسند کرتے ہوئے انسان کو مایوسی سے منع فرمایا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

”اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔“

انسان مختلف حالات سے دوچار ہوتا ہے۔ زندگی میں کبھی دھوپ ہوتی ہے کبھی چھاؤں، کبھی مشکلات، کبھی پریشانیاں، کبھی نشیب و فراز لیکن وہی افراد زندگی میں آگے بڑھتے ہیں جو مشکل سے مشکل وقت میں بھی ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں اور یہ ثابت قدمی اسی وقت دکھائی جاسکتی ہے جب انسان زندگی کے بارے میں پُر امید ہوتا ہے۔ جب اسے یہ توقع ہوتی ہے کہ جو تمنا، جو خواہش، جو نصب العین اس کے پیش نظر موجود ہے وہ اس کو ضرور حاصل کر لے گا اور اللہ تعالیٰ کا بھی انسان سے یہ وعدہ ہے کہ ”انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔“ انسان کو غموں اور پریشانیوں میں پُر امید رہنا چاہیے۔

زخم بھر جائے گا، غم نہ کر غم نہ کر
دن نکل آئے گا، غم نہ کر غم نہ کر

(فیض احمد فیض)

شاعری میں ”قعر دریا“ مشکلات اور بُرے حالات کی علامت ہے۔ اسی طرح ”سورج کی کرن“ اچھے حالات اور بہتری کی علامت ہے۔ چنانچہ احمد ندیم قاسمی کا موقف یہ ہے کہ مشکل حالات میں بھی انسان کو اُمید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ قدرت کا یہ اصول ہے کہ ”ہر تکلیف کے بعد آسانی ہے۔“ جیسے اچھے حالات ہمیشہ نہیں رہتے ویسے ہی بُرے حالات بھی ہمیشہ نہیں رہتے۔ غموں کی شام کے بعد عید کی صبح اور رات کی تاریکیوں کے بعد سورج کی کرن کا نکلنا ایک آفاقی حقیقت ہے۔ اقبالؒ نے علامتی انداز میں یہی تصور کچھ یوں پیش کیا ہے:

شام غم، لیکن خبر دیتی ہے صبح عید کی
ظلمت شب میں نظر آئی کرن اُمید کی

مختصر یہ کہ احمد ندیم قاسمی کا موقف یہ ہے کہ انسان کی زندگی میں مشکلات اور تکلیفوں کا آنا ایک فطری عمل ہے۔ ایسے میں انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ حالات کی بہتری کے لیے پُر اُمید ہونا چاہیے۔ کیوں کہ تکلیف کے بعد آسانی اور بُرے حالات کے بعد اچھے حالات ہوتے ہیں۔ رات کی سنگینیوں کے بعد صبح کی رنگینیاں ہوتی ہیں۔ اسی لیے انسان کو مشکلات کے اندھیروں میں اُمید کی کرن سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

رات جتنی بھی سنگین ہوگی
صبح اتنی ہی رنگین ہوگی

کچھ اور بڑھ گئے اندھیرے تو کیا ہوا
 مایوس تو نہیں ہیں طلوعِ سحر سے ہم
 (ساحر لدھیانوی)

شعر نمبر 5:

شاعری روزِ ازل سے ہوئی تخلیق، ندیم
 شعر سے کم نہیں، انسان کا پیدا ہونا

مفہوم:

شاعری لازمہٗ حیات ہے۔ یہ کائنات کے پہلے روز سے موجود ہے اور خود انسان کی تخلیق کسی شعر سے کم نہیں کہ انسان بھی اسی طرح
 موزوں اور متناسب مخلوق ہے جس طرح موزونیت شعر کا خاصہ ہے۔

☆☆☆☆☆



free ilm.